مسئلہ الربوا

تصنیف

شیخ الاسلام حضرت
انوار اللہ فاروقیؒ

بانی جامعہ نظامیہ
حیدرآباد ہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

ان دنوں یہ مسئلہ پیش ہے کہ بنک سے ہندوستان اور حیدرآباد میں ربوا لینا درست ہے یا نہیں بعض حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں مگر کتب فقہیہ سے اوس کا ثبوت نہیں معلوم ہوتا جیسا کہ روایات ذیل سے واضح ہوگا۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ ابن حنبلؒ امام ابی یوسف رحمہم اللہ کے نزدیک حربی سے دار الحرب میں بھی ربوا لینا جائز نہیں صرف امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ اس کو جائز رکھتے ہیں کما فی فتح القدیر ولا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب خلافا لابی یوسف والشافعی ومالک واحمد رحمہم اللہ

امام صاحب کی دلیل یہ ہے جو صاحب فتح القدیر نے لکھی ہے ولابی حنیفة ومحمد رحمہما اللہ ما روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال

لا ربوا بين المسلم والحربي في دار الحرب وهذا الحديث يحتج
ونقل ما روى مكحول عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال
ذلك قال الشافعي قال ابو يوسف قال ابو حنيفة حدثنا
بعض المشيخة حدثنا عن مكحول عن رسول الله صلى الله
عليه وسلم انه قال لا ربوا بين اهل الحرب اظنه قال واهل
الاسلام قال الشافعي وهذا الحديث ليس بثابت ولا حجة
فيه اسنده عن البيهقي قال في المبسوط هذا مرسل ومكحول
ثقة والمرسل من مثله مقبول ولان ابا بكر قبل الهجرة حين
انزل الله آلم غلبت الروم الآية قال له قريش ترون ان
الروم تغلب قال نعم قال فهل لك ان تخاطرنا فخاطر
هم فاخبر النبي صلى الله عليه وسلم اذهب عليهم وزد في
الخطر ففعل وغلبت الروم فارسا فاخذ ابو بكر خطره
فاجازه النبي صلى الله عليه وسلم وهو القمار بعينه بين
ابي بكر ومشركي مكة وكانت مكة دار شرك ولان مالهم
مباح واطلاق النصوص في مال محظور وانما يحرم على المسلم
اذا كان بطريق الغدر فاذا لم ياخذ غدرا فباي طريق ياخذه
حل بعد كونه برضا ثم قال صاحب فتح القدير وهذا لا يفيد

لمعارضة اطلاق النصوص الا بعد ثبوت حجية حديث مكحول
وقد يقال لو سلم حجيته في الزيادة بخبر الواحد لا يجوز اثبات
تقييده اي على المطلق من نحو لا تأكلوا الربوا ونحوه هو الزيادة
لا يجوز وقد فهم مما يقطع بان المطلقات يراد بها المال
المحظور بحق مالكه ومال الحربي ليس بمحظور الا في
الغدر فجاز. فهذا التقرير في التحقيق يقتضي انه لو لم يرد خبر
مكحول لجاز النظر المذكور اعني كونه مالاً مباحاً الا بعد من
لزوم الغدر الا انه لا يخفى انه انما يقتضي حل مباشرة العقد
اذا كان الزيادة ينالها المسلم والربوا اعم من ذلك اذ يشتمل
ما اذا كان الدرهمان من جهة المسلم ومن جهة الكافر و
جواب المسئلة بالحل عام في الوجهين وكذا القمار قد يفضي
ان يكون مال الحظر للكافر بان يكون الغلب له و
الظاهر ان الاباحة يفيد نيل المسلم الزيادة وقد التزم
الاصحاب في الدرس انه مرادهم من حل الربوا والقمار
ما اذا حصلت الزيادة للمسلم نظرا الى العلة عدم كون مال
الكافر محظورا وان كان اطلاق الجواب خلافه والله اعلم۔

حاصل یہ ہے کہ اگر مکحول کی حدیث سے استدلال کیا جائے تو

مسلم اور حربی میں مطلقاً ربوا جائز ہوگا۔ خواہ مسلم لیوے یا دیوے اور
اگر علت جواز یہ ہو کہ مال حربی مال محظور نہیں بغیر غدر کے ہر طرح لے سکتے
ہیں تو مسلم نے حربی کو ربوا دینا جائز نہ ہوگا۔ اور اساتذہ بھی یہی کہتے ہیں
لیکن اس صورت میں لا ربوا بین المسلم والحربی اپنے اطلاق پر نہ رہیگا
حالانکہ وہی مقتضائے حدیث اور امام صاحب کا مذہب ہے اس سے
ثابت ہے کہ امام صاحب نے اسی حدیث پر عمل کیا ہے جس سے زیادتی
خبر واحد کی کتاب پر لازم آتی ہے اور نیز فقہا تصریح کرتے ہیں کہ کفار
اپنے مال کے مالک ہیں کما فی الدر المختار۔ فیحل الاکل والوطی
لمن اشتراہ منہم کما فی الفتح لقولہ تعالی للفقراء المہاجرین
سماہم فقراء فدل علی ان الکفار ملکوا اموالہم التی ہاجروا
عنہا ومن لم یصل الی مالہ لیس فقیرا بل ہو ابن السبیل۔ اس
صورت میں کیونکر کہا جائے کہ اون کا مال محظور نہیں اگر کہا جائے کہ اون کا
مال ان کا مملوک تو ہے مگر اپنی رضامندی سے ربوا میں دیں تو جائز ہے
تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ربوا لینا نص قطعی سے جائز نہیں پھر اگر
حدیث لا ربوا بین المسلم والحربی پیش کیجائے تو وہی اعتراض زیادۃ
الخبر علی النص پیش ہوگا۔ عینیؒ نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے وقال الشافعی
ہذا حدیث مکحول لیس بثابت ولا حجۃ فیہ قلت لا نسلم عدم ثبوتہ

جلالة قدر الامام لا يقتضي ان يجعل لنفسه مذهبًا من غير دليل واضح۔ اس سے ظاہر ہے کہ سوائے اس حدیث مرسل غریب کے ظاہرا امام صاحب کی کوئی دلیل نہیں بجز اس کے کہ حسن ظن کیا جائے اور فتح القدیر میں جو استدلال پیش کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق رضؓ کو مخاطرہ کی اجازت دی تھی۔ اوس میں یہ کلام ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اوائل اسلام کا ہے اور یہ حرمت ربوا کل آیات احکام کے بعد نازل ہوئی چنانچہ دُر منثور میں ہے اخرج البخاری وابوعبید وابن جریر والبیہقی فی الدلائل من طریق الشعبی عن ابن عباسؓ قال اخر اٰیۃ انزلھا اللہ علی رسولہ الربوا اس سے ظاہر ہے کہ جس زمانہ میں مخاطرہ جائز تھا ربوا بھی جائز تھا۔ اب نص قطعی کے نزول کے بعد بجائے اس کے کہ ربوا قیاس سے جائز ہو بلحاظ عموم نص ربوا خود مخاطرہ بھی حرام ہو جائے گا۔

الحاصل بحسب اصول فقہیہ عموم نص قطعیہ کے مقابلہ میں نہ حدیث غریب مذکور الصدر مفید ہو سکتی ہے نہ قیاس۔ اگر چہ کہ مقلد کو اپنے امام کے قول کے مقابلہ میں استدلال پیش کرنیکا کوئی حق نہیں۔ مگر یہ امر ظاہر ہے کہ امام صاحب کا مسلک بکمال درجہ کی احتیاط کا ہوا کرتا ہے ہر مسئلہ میں نصوص قطعیہ کو ضرور پیش نظر رکھا کرتے ہیں اس لئے ہمیں اس

حسن ظن کی بھی ضرورت ہے کہ انھوں نے ربوا کی اجازت جو دار الحرب میں
دی ہے اس میں کچھ ایسے امور پیش نظر ہوں گے کہ بمقتضائے نصوص اونکی
اجازت ہوگی - اول تو لفظ دار الحرب ہی باواز بلند کہہ رہا ہے کہ وہاں
جنگ قائم ہو اور یہ ظاہر ہے کہ جہاں کفار کا مال غنیمت ہو رہا ہو اونکی
رضامندی سے اوس کا مال لینا کونسی بڑی بات ہے - غرض کہ اگر
ہندوستان کی حالت موجودہ کو اگر امام صاحب ملاحظہ فرماتے تو ہرگز
قرین قیاس نہیں کہ باوجود ایسے امن و آسایش کی حالت کے یہ فرماتے کہ
بیع و شرا کو چھوڑ کر آٹھ آنہ سیکڑا بنک سے سود لیا کریں - حالانکہ حق تعالی نے
فرماتا ہے احل اللہ البیع وحرم الربوا اور اس پر یہ قرینہ بھی ہے کہ
دار الاسلام کے دار الحرب ہونے میں جیسے امام ابی یوسف نے مسامحت کی
ویسے انھوں نے نہیں کی بلکہ ایسے قیود لگائے جس سے ظاہر ہے - کہ
دار الاسلام بمجرد کفار کے استیلا کے دار الحرب نہیں بن سکتا -

فصول عمادی میں مذکور ہے وعند ابی یوسف و محمد رحمہما اللہ
اذا اجروا فیہا ای فی دار الاسلام احکام الشرک فانہا تصیر
دار الحرب سواء کانت متصلۃ بدار الحرب او لم یکن و
بقی فیہا مسلما وذمی آمنا بالامان الاول او لم یبق - امام صاحب کے
نزدیک دار الحرب ہونیکے یہ شروط ہیں کما فی تنویر الابصار وغیرہ لا یصیر

دار الاسلام دار الحرب باجراء احکام الشرك واتصالها
بدار الحرب وبان لا يبقى فيها مسلم او ذمي بالامان الاول
اور محیط السرخسی میں ہے وله ای لابی حنيفة ان الارض
عرفت بكونها دار الاسلام متى بقي اثر من اثار الاسلام لان
الامان والعصمة للواحد ثبت بدار الاسلام وهو قائم
فهذه الاثر يدل على انها دار الحرب فيبقى دار الاسلام عند
التعارض لقوله عليه السلام الاسلام يعلو ولا يعلى وهذا
كالولد اذا حكم باسلامه تبعا للابوين ثم ارتد الابوان و
لحق بدار الحرب يبقى الولد مسلما لبقاء اثر الاسلام وهو الدار
فكذا هذا واما اذا لم يكن الارض متصلة بدار الحرب فهم
مغلوبين بدار الاسلام من عنوتهم عنها ساعة فساعة واذا
كانت متاخمة بدار الحرب او دار الحرب محيطة بها تكون مغلوبة
باهل الحرب وحقيقة الغلبة يصيرها دار الاسلام او دار الحرب
بخلاف ما اذا غلب المسلمون على ارضهم يصير دار الاسلام
وان بقي واحد من اهل الشرك فيها لان بقاء اثر الشرك
لا يكفي لبقاء حكم دار الحرب لان حكم الاسلام اقوى :
فيترجح الاقوى على الاوهى كالمسبي من دار الحرب يجعل مسلما

بتعالله ادوان بقی اثرلہ فی دار الحرب فکذا اھلہا۔

اس سے ظاہر ہے کہ جب تک ایک اثر بھی اسلامی آثار سے ملک میں باقی رہے وہ دارالحرب نہیں ہو سکتا۔ گو کفر کے آثار بھی وہاں موجود ہوں اب دیکھئے ہندوستان میں سوائے امور سیاسیہ کے احکام اسلامیہ جاری ہیں یا نہیں اذان اقامت جمعہ واعیاد وغیرہ احکام شرعیہ کے علاوہ ان میں بھی سلطنت کی طرف سے کوئی تعرض نہیں جن کو جہلا نے شعار اسلامی ٹھیرا رکھا ہے ایسا ملک امام صاحب کے مذہب پر صرف جواز ربوا کی غرض سے کیونکر دارالحرب قرار پا سکتا ہے

اور فتاوی قاضیخان میں لکھا ہے وقد تقرر ان ببقاء شئ من العلة یبقی الحکم وقد حکمنا بلا خلاف بان ھذہ الدیار قبل استیلاء التتار کانت من دیار الاسلام وبعد استیلائهم اعلان الاذان والجمع والجماعة والحکم بمقتضی الشرع والفتوی والتدریس شائع بلا نکیر من ملوکهم فالحکم بانها من بلاد الحرب لا جهة له والنظر الی الدراسة والدرایة واعلان بیع الخمور واخذ الضرائب والمکوس والحکم من البعض برسم التتار کاعلان بنی قریظة بالتهود وطلب الحکم عن الطاغوت فی مقابلة

شيئا ناصلعم في عهده لا بالمدينة ومع ذالك كانت بلدة
الاسلام بلاريب انتهى۔ اس سے ظاہر ہے کہ باوجود تسلط کفار کے
اعلان اذان وغیرہ امور شرعیہ تعاد دار الاسلام کے لئے کافی ہے
اور نیز ادائے جمعہ کے لئے مصر اور اقامت حدود شرط ہے جیسا کہ
فتاوی ہندیہ میں ہے۔ ولاداء الجمعة شروط منها المصر
هكذا في الكافي والمصر في ظاهر الرواية الموضع الذي
له مفتي وقاض يقيم الحدود وينفذ الاحكام۔
باوجود اس کے اس قسم کے بلاد میں اقامت جمعہ وغیرہ کی اجازت ہے
جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے کل مصر فيه وال من جهة الكفار
يجوز فيه اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج وتقليد القضاء
وتزويج الايامى لاستيلاء المسلم عليهم واما طاعة الكفر
فهي موادعة ومخادعة واما في بلاد عليها ولاة كفار فيجوز
للمسلمين اقامة الجمع والاعياد ويصير القاضي قاضيا
بتراضي المسلمين۔ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے شرح تراجم
صحیح البخاری میں لکھا ہے۔ لعل الحكمة في هرب الشيطان
عند الاذان دون الصلوٰة انه شعار الاسلام يجهر فيه
بذكر الله ويصير الدار دار الاسلام۔

روایات مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ امام مالک وامام شافعی وامام احمد بن حنبل اور امام ابی یوسف رحمہم اللہ کے مذہب میں ربوا نہ دار الاسلام میں جائز ہے نہ دار الحرب میں۔ اور امام اعظمؒ کے نزدیک اگرچہ دار الحرب میں جائز ہے۔ مگر ہندوستان اون کے نزدیک دار الحرب نہیں ہوسکتا۔ اس سے ثابت ہے کہ ہندوستان میں ربوا لینا کسی مذہب میں درست نہیں اور اہل حدیث کے نزدیک بھی جائز نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اس بات میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہوئی فقط

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضمیمہ فتویٰ الفاضل الاجل الاوحد مولوی مشتاق احمد صاحب سلمہ اللہ الاحد

الحمد للہ الذی خلق الانسان وعلمہ البیان والصلوٰۃ والسلام علی من بعث بالدلیل والبرہان وعلی الہ واصحابہ الذین استاصلوا بنیان الکفر والطغیان وعلی من تابعھم من العلماء والصلحاء الذین بلغوا الینا الاحادیث والقرآن

امابعد خاکسار کے نزدیک ہندوستان میں اور ہندوستان کے ماتحت ریاستوں میں سود کا لینا حرام ہے اور جو شخص ہندوستان کو دارالحرب سمجھ کر سود لینا شروع کردے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق ہے کیونکہ ہندوستان دارالحرب نہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب تک تین شرطیں نہ پائی جائیں دارالاسلام کو دارالحرب نہیں کہا جاتا وہ تین شرطیں یہ ہیں اول یہ کہ علی سبیل الاعلان کفار کے احکام اوس میں جاری ہو گئے ہوں اور اسلام کے احکام کا اجرا موقوف کیا گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ اوس کے چار طرف مشرق

مغرب جنوب شمال میں دار الحرب ہوں کسی جانب دار الاسلام سے اتصال نہ رہا ہو۔ تیسری یہ کہ استیلاء کفار سے پہلے جو مسلمانوں کو اسلام کے سبب اس ملک میں امن حاصل تھا۔ اور ذمیوں کو عہد ذمہ کی وجہ سے امن حاصل تھا۔ وہ امن باقی نہ رہا ہو۔ کہا عالمگیری نے صفحہ (۸۳) جلد (۲) قال محمد فی الزیادات انما تصیر دار الاسلام دار الحرب عند ابی حنیفة بشرائط ثلٰثة احدها اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتہار وان لا یحکم فیہا بحکم الاسلام والثانی ان تکون متصلة بدار الحرب لا یتخلل بینہما بلدة من بلاد الاسلام والثالث ان لا یبقی فیہا مؤمن ولا ذمی اٰمنًا بامانہ الاول الذی کان ثابتًا قبل استیلاء الکفار للمسلم باسلامہ وللذمی بعقد الذمة انتہی۔

شرط اول سے مراد یہ ہے کہ کفر ہی کے احکام جاری ہوں اور اسلام کے احکام بالکل موقوف کئے گئے ہوں۔ اور اگر احکام اہل اسلام و اہل شرک دونوں جاری ہوں تو دار الاسلام دار الحرب نہیں ہوگا۔ چنانچہ رد المحتار صفحہ (۲۶) جلد (۳) میں عالمگیری اور طحطاوی سے اس مضمون کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔ قولہ باجراء احکام اہل شرک ای علی الاشتہار وان لا یحکم فیہا بحکم

اهل الاسلام (هندية) وظاهره انه لو اجريت احكام
المسلمين واحكام اهل الشرك لاتكون دار حرب (ط)
اور چونکہ ہندوستان اور اس کے ماتحت ریاستوں میں اذان جماعت
و نماز جمعہ وعیدین میں کوئی روک نہیں اور تقسیم ترکات اہل اسلام کی
وہ جہاں شرع شریف کے مطابق ہوتی ہے اور اسی طرح نکاح وطلاق
کے احکام موجب اصول اہل اسلام فیصلہ کئے جاتے ہیں پس شرط
اول نہیں پائی جاتی۔

دوسری شرط کا نہ پایا جانا تو اظہر من الشمس ہے کہ ہندوستان
افغانستان کے متصل ہے اور افغانستان دارالاسلام ہے مابین حدود
ہندوستان وافغانستان کوئی اور ملک حربیوں اور کفار کا حائل نہیں

تیسری شرط بھی نہیں پائی جاتی کیونکہ اہل اسلام کو جو امن
شاہان اسلام کے زمانہ میں حاصل تھا وہ سلطنت وقت نے ہم سے نہیں
چھینا بحیثیت اسلام اور مسلمان ہونیکے کسی سے تعرض نہیں کیا اور نہ
کسی کے امن میں خلل ڈالا چنانچہ ردالمحتار میں فتاوی عالمگیری اور
طحطاوی سے یہی مضمون نقل کیا ہے کہ دارالحرب کی تیسری شرط کا مطلب
یہ ہے کہ اسلام کے سبب مسلمانوں کو جو امن حاصل تھا اور ذمی کو عہد نامہ
کی وجہ سے جو امن تھا وہ باقی نہ رہا ہو عبارت بلفظہ یہ ہے۔ قولہ

بالامان الاول الذی کان ثابتا قبل استیلاء الکفار بالمسلم وللذمی لعقد الذمۃ (ہندیہ ط)۔

جب تینوں شرطیں دار الحرب ہونیکی ہندوستان اور اس کے ماتحت ریاستوں میں نہیں پائی گئیں تو ہندوستان دار الحرب نہیں اور جب دار الحرب نہیں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہندوستان میں کافر یا غیر کافر کسی سے سود لینا جائز نہیں حرام ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد سعد اللہ مرحوم نے فصول عمادی اسبیجابی برہان شرح مواہب الرحمان وغیرہا کتب مستندہ حنفیہ سے نقل کیا ہے دار الاسلام بدستور دار الاسلام ہی رہیگا جب تک کچھ بھی احکام اسلام کے اس میں باقی رہیں عبارت ان کے فتویٰ کی یہ ہے۔ و در فصول عمادی می گوید اِنَّ دار الاسلام لا تصیرُ دار الحرب اذا بَقِیَ شیءٌ من احکام الاسلام وان زال غلبة الاسلام وذکر الاسبیجابی فی مبسوطہ ان دار الاسلام محکومةٌ بکونها دار الاسلام فیبقیٰ هذا الحکم ببقاء حکم واحد فیها ولا تصیر دار الحرب الا بعد زوال جمیع القرائن ودار الحرب تصیر دار الاسلام بزوال بعض القرائن وهو ان یجری فیها احکام الاسلام وذکر السید الامام ناصر الدین فی المنشور ان

دار الاسلام انما صارت دار الاسلام باجراء احکام الاسلام
فما بقیت علقة من علائق الاسلام یترجح جانب الاسلام
هکذا فی الفصول العمادیة وحاشیة الطحطاوی والفصول
الاسروشنیة وقال فی الفصولین ناقلا عن شیخ الاسلام
ابی بکر فی شرح الاصل ابو حنیفة یقول بان هذه البلاد
صارت دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فیها فما بقی
شئ من احکام الاسلام فیها یبقی دار الاسلام علی ما عرف
ان الحکم اذا ثبت لعلة فما بقی شئ من احکام العلة یبقی الحکم
ببقائه انتهی وفی البرهان شرح مواهب الرحمن لا تصیر دار الحرب
ما دام فیه شئ منها بخلاف دار الاسلام لانا رجحنا اعلام
الاسلام واحکام اعلاء کلمة الله وفی الدر المنتقی لصاحب
الدر المختار ان دار الحرب تصیر دار الاسلام بجری بعض
احکام الاسلام واما صیرورتها دار الحرب نعوذ بالله
منها فعند ابی حنیفة بشروط ثلاثة الی آخر ما نقل
شیخ الاسلام ولا شبهة ان دار الاسلام محکومة
بدار الاسلام مدة بقاء حکم واحد کما فی العمادیة انتهی
(رسالة الهدی مصنفه مولانا اصغر علی روحی لاهوری)

ان تمام روایات فقہیہ سے محقق ہو گیا کہ جب ہندوستان میں مسائل نکاح۔ طلاق۔ ہبہ۔ شفعہ۔ میراث وغیرہا کا فیصلہ کرتے وقت قانون سلطنت شریعت اسلام کا تابع ہے ہر چند یہاں اسلام کا غلبہ نہیں رہا۔ مگر ان احکام اسلام کے باقی رہنے سے ہندوستان دارالاسلام ہے دارالحرب نہیں ہوا۔

تنبیہ

ہندوستان کی حالت اس وقت ملک خوارزم جیسی ہے کہ وہ ملک دارالاسلام تھا۔ خلفاء عباسیہ اور شاہان اسلام اس پر حکمران تھے۔ یکایک کفار تاتار کے قبضہ میں آگیا۔ خلفاء عباسیہ کا خاندان نیست و نابود کر دیا گیا۔ کفار کے احکام جاری ہو گئے۔ خلاف شرع طرح طرح کے ٹیکس مقرر کئے گئے۔ مگر تاتاریوں نے مسلمانوں کو جمعہ جماعت اذان وغیرہا سے نہیں روکا لہذا اس وقت کے علماء نے ملک خوارزم کو باوجود کافروں کے قبضہ میں آجانے کے دارالاسلام ہی قرار دیا دارالحرب ہو جانے کا فتویٰ نہیں دیا چنانچہ فرماتے ہیں امام قاضی شہاب الدین مؤلف فتاوی بزازیہ (صفحہ ۲۹۹ مصری برحاشیہ جلد (۶) عالمگیری) وقد حکمنا بلا اختلاف ان ھذہ الدیٰ

قبل استیلاء التتار کانت من دیار الاسلام وبعد استیلاء
اعلان الاذان والجمعة والجماعات والحکم بمقتضی الشرع
والفتوی والتدریس دائم بلا نکیر من ملوکهم فالحکم بانها من بلاد
الحرب لا جهة له نظرا الی الدراسة والدرایة واعلان
بیع الخمور واخذ الضرائب والمکوس والحکم من
البعض برسم التتار کاعلان بنی قریظة بالتهود و
طلب الحکم لطلب الطاغوت فی مقابلة محمد علیه الصلوٰۃ
والسلام فی عهده بالمدینة ومع ذلک کانت بلدة الاسلام بلا نزاع

بعض اہل اسلام یہ شبہ پیش کیا کرتے ہیں کہ حضرت مولانا شاہ
عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی عزیزیہ میں ہندوستان کو دارالحرب
قرار دیا ہے اور اسمیں غیر اہل اسلام سے سود لینے کو جائز تبلایا ہے

فاقول اولاً اس میں تامل ہے کہ یہ تمام فتاوی اور رسائل جو
فتاوی عزیزیہ میں ہیں وہ یقیناً حضرت ممدوح کے قلم سے لکھے ہوئے
ہیں اور ان میں محو و اثبات کی نوبت نہیں پہنچی۔ کیونکہ مجموعہ فتاوی
مطبوعہ کو نہ خود حضرت ممدوح نے اپنی زندگی میں مدون فرمایا اور
نہ حضرت کے شاگردوں میں سے کسی نے ان سب کو ایک جگہ جمع
کیا۔ بلکہ تقریباً ۱۳۱۱ سنہ ہجری میں بعض صاحبوں نے متفرق مقامات سے

جو تحریرات حضرت موصوف کے نام نامی سے ملیں انکو اکٹھا کر کے
فتاوی عزیزی نام رکھدیا ممکن ہے متفرق کاغذات سے نقل کرنے میں
کمی بیشی ہوگئی ہو۔ دوم یہ کہ خود اسی مسئلہ دار الحرب میں اسی روایت
امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کو نقل کیا اور تسلیم کیا کہ یہی روایت کتب معتبرہ
میں اختیار کی گئی ہے کہ جب تک شرائط ثلاثہ نہ پائی جائیں دار الاسلام
کو دار الحرب قرار نہیں دے سکتے مگر اجراء احکام کی نسبت لکھدیا کہ احکام
کفر سے ملکی امور بندوبست اراضی وغیرہ مراد ہے عبارت بلفظہ یہ ہے
و مراد یہ آنا اجراء احکام کفر این است کہ در مقدمہ ملک داری و بندوبست
رعایا اخذ خراج و باج و عشور اموال تجارت و سیاست قطاع الطریق و
سراق و فصل خصومات و سزا جنایات کفار بطور خود حاکم باشند آرے اگر
بعضے احکام اسلام مثل جمعہ و عیدین و اذان و ذبح بقر تعرض نہ کنند
نہ کردہ باشند انتہیٰ۔

اس عبارت میں اجراء احکام اسلام کو لائق اعتبار اس باب میں
قرار نہیں دیا حالانکہ یہ امر تصریحات علماء کے خلاف ہے کما در المختار
صفحہ (۲۶۱) میں و دار الحرب تصیر دار الاسلام باجراء احکام
اہل الاسلام فیہا کجمعۃ و عید۔ اور فتاوی بزازیہ سے نقل ہو چکا
کہ کفار تاتار کے ملک خوارزم پر قبضہ پانے سے باوجودیکہ کفار مالک تھے

اور تمام ملک پر قابض تھے صرف اس وجہ سے کہ عبادات اہل اسلام
جمعہ اذان جماعات وغیرہا سے کفار تاتار تعرض نہیں کرتے تھے اس وقت
کے علماء اعلام نے ملک خوارزم کے دار الاسلام ہونے کا ہی فتویٰ دیا

ثانیاً فتاوی عزیزیہ میں کسقدر خلاف واقعہ لکھا ہے کہ دیار بنی یربوع کو
باوجود اذان و جمعہ و عیدین ہونے کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
نے دار الحرب قرار دیا اور جہاد فرمایا عبارت بلفظہ یہ ہے کہ از روئے
احادیث و تتبع سیرت صحابۂ کرام و خلفاء عظام ہمیں مفہوم میشود زیرا
در عہد صدیق اکبر بنی یربوع را حکم دار الحرب دادند حالانکہ جمعہ و عیدین
و اذان در انجا جاری بود انکار حکم زکوٰۃ کردہ بودند انتہیٰ۔

اقول یہ واقعہ خلاف اور غلط اس وجہ سے ہے کہ امام نووی
رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے
زمانہ میں جن اقوام مرتدین اور منکرین زکوٰۃ سے جہاد ہوا سب کا ذکر
لکھا ہے۔ مگر کسی کی نسبت یہ نہیں لکھا کہ ان میں احکام اسلام جمعہ
جماعات اذان کا دنیا باقی تھا۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ اس وقت روئے زمین پر
تین جگہ کے سوا کہیں سجدہ تک نہیں کیا جاتا تھا عبارت بلفظہ شرح
صحیح مسلم صفحہ (۳۸ جلد ۱) کی یہ ہے فَلَمْ تَكُنْ تَسْجُدُ لِلّٰهِ تَعَالٰى فِيْ بَسِيْطِ
الْاَرْضِ اِلَّا فِيْ ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ مَكَّةَ وَمَسْجِدِ الْمَدِيْنَةِ

ومسجد عبد القیس فی البحرین فی قریۃ یقال لها جواثا ۔ اس
حصر سے معلوم ہوگیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں
ان مرتدین کے علاوہ جو اسود عنسی او مسیلمہ کذاب کے ہمراہ ہوگئے تھے
بعض دیگر اقوام منکرین زکوٰۃ بھی مرتدین کے ہمراہ باغی ہوگئے تھے
جیسے بنی یربوع تھے ۔ کیونکہ اذان نماز علامات اسلام تین معاملات
مذکورہ کے سوا اور کہیں باقی نہ رہی تھی ۔ اس قدر معلوم ہوا ہے کہ
بعض اقوام نماز کا اقرار کرتے تھے مگر نہیں کیا اذان اور جماعت یاں
ہوتی تھی اور نماز پڑھتے تھے ۔ لہٰذا حضرت ممدوح نے دار الحرب قرار
دے کر جہاد کا حکم دیا اور اگر ان بلاد میں اذان اور نماز کا اہتمام ہوتا
تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے
عمل شریف کے خلاف کبھی جہاد کا حکم نہ دیتے کیونکہ صحیحین میں حضرت
انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم جہاد کو تشریف لیجاتے تو صبح تک انتظار فرماتے ۔ اگر اذان کی
آواز سنتے تو قتل سے رک جاتے الفاظ متبرکہ حدیث کے یہ ہیں ۔ عن
انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا غزی بنا قوماً
لم یکن یغزو بنا حتی یصبح وینظر الیھم فان سمع اذاناً کف
عنھم وان لم یسمع اذاناً اغار علیھم الخ (مشکوٰۃ باب الکتاب الی الکفار)

بان نسخ عمومه واطلاقه ويبقى اصله وذالك مثل الزيادة على النص
(ثم قال) ولا يجوز عندنا الا بالخبر المتواتر او المشهور علامہ
ابن ہمام فتح القدیر کے صفحہ ۱۵۰ جلد ۳ میں اس مسئلہ میں اختلاف
مجتہدین نقل کرتے ہیں کہ امام ابو یوسف امام شافعی امام مالک امام احمد
بن حنبل کے نزدیک بوجہ اطلاق نصوص دارالاسلام اور دارالحرب دونوں میں
سود کا لینا حرام ہے قرآن شریف کی آیات اور احادیث صحیحہ میں سود کی
حرمت مغلظ کسی مکان کے ساتھ مخصوص نہیں کہ دارالاسلام میں سود لینا
حرام ثابت ہو۔ اور دارالحرب میں جائز ہو۔ مگر امام اعظم اور امام محمد رحمۃ اللہ
علیہما کے نزدیک دارالحرب میں حربی سے سود لینا درست ہے۔ کیونکہ
فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ دارالحرب میں مسلمان اور
حربی کے مابین سود نہیں۔ اس کے چند سطر بعد فرماتے ہیں۔ وھذا
لَا يُفِيدُ لمعارضة اِطلاقِ النصوصِ الا بعد ثبوتِ حجيةِ حديث
مكحولٍ وقد يقال لو نُسلِّم حُجيتُهُ فالزيادة بخبر الواحد لا يجوز
فاثباتُ قيدٍ زائدٍ على المطلق هو الزيادة بعينها لا يجوز یعنی حدیث
مکحول کا لائق حجت ثابت ہونے کے بعد بھی آیات کے مقابلہ میں خبر کرنا
مفید نہیں کیونکہ نصوص قرآنی مطلق ہیں ان میں حرمت سود مقید
دارالاسلام نہیں۔ دوسرے یہ کہ بعد تسلیم قابل حجت ہونے حدیث مکحول کے

خبرِ واحد سے زیادۃ علی کتاب اللہ جائز نہیں۔

اس کے بعد یہ جواب پیش کرتے ہیں کہ اطلاق نصوص قرآنی اس مال کی نسبت ہے۔ یعنے اس مال میں سود لینا حرام ہے جس مالک مال کی ملکیت شرعاً ثابت ہو اور دار الحرب میں حربی کا مال اس کی ملک نہیں۔ لہٰذا اس کا لینا مباح ہے ہاں فریب سے لینا درست نہیں عبارت بلفظہٖ یہ ہے۔ ویدفع بالقطع بان المطلقات مراد بها المحظور لحق مالكه ومال الحربي ليس بمحظور الا لتوقي الغدر فيجاز۔

اقول باب استیلاء الکفار میں فقہا حنفیہ نے بالاتفاق یہ لکھا ہے اگر دار الحرب میں کفار ہمارے مال کو غلبہ کر کے قبضہ میں لے آویں تو مال کے مالک قرار دے جاویں گے۔ کما در مختار میں وان غلبوا على اموالنا ولو عبدا مومنا واحرزوها بدارهم ملكوها۔ کہا اس کی شرح ردّ المختار (صفحہ ۲۷۰ جلد ۳) میں هو قول مالك واحمد ايضا فيحل الاكل والوطؤ لمن اشتراه منهم كما في الفتح لقوله تعالى للفقراء المهاجرين سماهم فقراء فدل على ان الكفار ملكوا اموالهم التي هاجروا عنها ومن لا يصل الى ماله ليس فقيرا بل هو ابن سبيل انتهى لہٰذا ان کا مال محظور ہے غیر محظور نہیں اور یہ جواب حضرت امام ابن ہمام تشفی دینے والا نہیں

پس اگر ہندوستان امام اعظم کے قول کے موافق دار الحرب تسلیم
کیا جاوے تو پھر اس بنا پر ہوا تھا کہ بمطابق مذہب امام ابو یوسف
رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاوے گا کما فی الاشباہ والنظائر
و منقولہ والاعتبار ان الفتویٰ علی قول ابی یوسف فیما یتعلق
بالقضاء کما فی القنیۃ والبزازیۃ۔ دوسرے یہ کہ امام ابو یوسف
رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب قوی اور دلیل ان کی مضبوط ہے جیسا کہ
فرماتے ہیں مولانا مفتی محمد سعد اللہ اپنے فتویٰ حرمت سود میں۔ اما
قوت دلیل امام ابو یوسف بجہت آنکہ نصوص حرمت ربوا از آیات و
حدیث مطلق واقع شدہ مخصوص بمکانی بدون مکانی نبودہ اند پس حدیث
مرسل مکحول بجہت بودنش از احاد مخصص نص مطلق نمی تواند شد چنانچہ
در اصول فقہ مقرر شدہ است کہ زیادت بر کتاب بخبر حدیث متواتر یا
مشہور جائز نیست۔

فائدہ

حضرت امام الائمہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک کمال احتیاط پر
مبنی ہوتا ہے نصوص قطعیہ کے ساتھ مطابقت ملحوظ ہوتی ہے مثلاً
جواز سود دار الحرب میں حربی سے غالباً اسی حالت میں حضرت ممدوح نے
فتویٰ دیا ہے کہ جب حربی کا مال دار الحرب میں منظور اور معصوم نہ ہو

مولانا مفتی حیدرآبادی کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اس طرف امام نووی نے
بھی اپنے فتویٰ میں اشارہ کیا ہے۔

اور حضرت امام الائمہ کا دارالاسلام کے دار الحرب ہونے کے واسطے
دیگر مجتہدین سے زیادہ قیود لگانا بھی قریباً اسی خیال کا ہے کیونکہ امام اعظم
رحمۃ اللہ علیہ ان محتاطین مجتہدین صالحین سے ہیں جن کے نزدیک قرض خواہ کو
قرض دار سے بلا عادتِ سابقہ کے ہدیہ لینا یا اس کی سواری پر سوار ہونا یا
اس کے گھر میں رہنا جائز نہیں کما فی تفسیر مظہری صفحہ ۳۲۰ میں ان اھدی
المستقرض الی المقرض شیئا او حمله علی دابته او اسکنه فی
داره ولم یکن ذلك عادة بینهما او اعطی اکثر مما اخذ منه
او اجود هل یحل ذلك للمقرض ام لا فقال ابوحنیفة ومالك
واحمد لا یحل ذلك بل یکره وان لم یشترط وقال الشافعی
ان کان بغیر شرط جاز وان کان بشرط لم یجز احتج الجمهور بحدیث
انس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا اقرض احدکم
قرضا فاهدیٰ الیه طبقا فلا یقبله او حمله علی دابته فلا یرکبها
الا ان یکون بینهٗ وبینه قبل ذلك رواه ابن ماجه
والبیهقی۔

وعن عبد الله بن سلام اذا کان لك علی رجل حق فاهدی

الیک حمل تبن او حمل شعیر او حمل قت فلا تأخذہ فانہ ربوا رواہ البخاری)۔

فرمایا بیہقی وقت خود قاضی صاحب نے اسی تفسیر میں سود کا معاملہ نہایت ہی سخت ہے اس سے بچنا اور احتیاط کرنا چاہئے کیونکہ پانچ وجہ سے اللہ کریم نے اپنے کلام پاک میں سود خوار کی نسبت وعید فرمایا ہے عبارت بلفظہ یہ ہے۔ وامر الربوا اشد واغلظ فیحتاط فیہ مالا یحتاط فی غیرہ قد ذکر اللہ تعالی الوعید علی الربوا بخمسۃ اوجہ اولا بالتخبط حیث قال لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان وثانیا بالخلود فی النار حیث قال ومن عاد فاولئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون ثالثا بالمحق حیث قال یمحق اللہ الربوا ورابعا بالکفر حیث قال وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین وخامسا بالحرب حیث قال فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ۔ انتہی ۔

الحاصل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو ہندوستان دار الحرب ہی نہیں۔ بلکہ دار الاسلام ہے کسی سے سود لینا ہندوستان میں جائز نہیں حرام ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر ہندوستان دار الحرب ہے تب بھی سود لینا حرام ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک جیسا سود لینا دار الاسلام میں حرام ہے ویسا ہی دار الحرب میں حرام ہے۔ امام مالک امام شافعی

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ان سب کا مسلک اس بات پر امام ابی یوسفؒ کے مسلک کے موافق ہے کہ کسی وقت کسی ملک میں سود لینا جائز نہیں۔ اور یہ اوپر گذر چکا کہ علماء احناف کے نزدیک معاملات میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی دیا جاتا ہے اور ماخذ ان کا قوی ہے نصوص قطعیہ مطلقہ حرمت سود میں وارد ہیں حدیث احاد مرسل ان کی مخصص یا ناسخ نہیں ہو سکتی اور جب کسی شئے کے حلال اور حرام ہونے میں اختلاف علماء کا ہو تو حرام ہونے کو ترجیح دیجاتی ہے کما الاشباہ والنظائر صفحہ ۵۰ میں القاعدۃ الثانیۃ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام ومعناھا ما اجتمع محرم ومبیح الا غلب المحرم فقط واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین۔

تمام شد